پروفیسر ظہور احمد اظہر

احمد زکی ابوشادی

احمد زکی ابوشادی ۹ فروری ۱۸۹۲ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد ابوشادی تھا جو ایک کامیاب وکیل اور شعلہ بار مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ مصر کے عظیم محبانِ وطن میں سے بھی شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی والدہ کا نام امینہ تھا جو مصر کے مشہور و ممتاز شاعر مصطفیٰ نجیب کی بہن تھیں اور خود بھی شعر و شاعری سے گہرا شغف رکھتی تھیں اور کبھی کبھی خود بھی شعر کہہ لیتی تھیں۔ ظاہر ہے ایسے والدین کے ہاں پیدا ہونے والا اور ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والا بچہ علم و ادب اور شعر و سخن سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔

باپ نے ہونہار بچے کو ایک اعلیٰ درجے کے پرائمری اسکول میں داخل کرا دیا تاکہ اس کی خداداد صلاحیتوں کی صحیح جلا نصیب ہو سکے۔ احمد زکی ابوشادی جب پرائمری اسکول سے کامیاب ہو کر ہائی اسکول میں پہنچے تو شعر و ادب سے ان کا شغف کافی بڑھ چکا تھا اور وہ شعر اور نثر میں بڑی کام کی چیزیں تخلیق کرنے لگے تھے اور ان کی ادیبانہ و شاعرانہ صلاحیتوں کا اساتذہ بھی اعتراف کرنے لگے۔ سولہ سال کی عمر میں انھوں نے اپنی نظموں اور نثری کاوشوں کا ایک مجموعہ شائع کیا، جس کا نام "قطرۃ من یراع فی الادب والاجتماع" رکھا جس کے معنی ہیں ادب اور معاشرت کے بارے میں نوکِ قلم کا ایک قطرہ۔

اپریل ۱۹۱۲ء میں وہ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے جہاں وہ سات سال تک علم طب کے مطالعہ میں مشغول رہے۔ اس عرصے میں ابوشادی نے کئی ایک اہم اور قابلِ ذکر کام کیے۔ مثلاً علم الجراثیم کے میدان میں تحقیقی کام کر کے ویب پرائز (Webb Prize) حاصل کیا، یورپی ادب کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا۔ شعر و شاعری کے علاوہ فن مصوری میں بھی گہری دلچسپی لینے لگے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "انجمن سازی" کا سلسلہ بھی شروع کر دیا،

اور کئی ایک انجمنیں قائم کر ڈالیں۔ ایک انجمن بنائی جس کا کام شہد کی مکھیاں پالنا اور اس صنعت کو ترقی دینا تھا۔ "عالم النحل" کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ یہاں انھوں نے عربی زبان کی نشر و اشاعت کے لیے بھی ایک انجمن بنائی۔ اس کے علاوہ لندن میں ایک مصری کلب کے نام سے ایک مجلس قائم کی جہاں وہ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ جمع ہوتے اور اپنے وطن عزیز کے مختلف مسائل پر گفت گو کرتے جو اس وقت انگریزوں کے تسلط میں تھا۔ ابوشادی کی یہ سرگرمیاں برطانوی سامراج کے لیے ناقابل برداشت بن گئیں اور خفیہ پولیس نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ابوشادی بھی اس طویل عرصۂ قیام سے ملول ہو چکے تھے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۲۲ میں اپنی انگریز بیوی کے ساتھ وطن واپس آ گئے۔

ابوشادی جب مصر لوٹے تو اپنے ساتھ اپنی گوناگوں مصروفیات اور سرگرمیاں بھی ساتھ لائے بلکہ وطن پہنچ کر یہ سلسلہ اور بھی بڑھ گیا۔ شعر و شاعری کے ساتھ بزم آرائی اور انجمن سازی کے مشاغل بھی دو چند ہو گئے۔ مصر واپس آئے ابھی دو ماہ کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ انھوں نے شہد کی مکھیاں پالنے کی تحریک شروع کر دی اور اس سلسلے میں "نادی النحل المصری" کے نام سے ایک کلب قائم کر دیا اور ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ مصر کا مشہور شاعر احمد شوقی ابھی زندہ تھا اس نے احمد زکی ابوشادی کے اس اقدام کو خوش آمدید کہتے ہوئے "مملکۃ النحل" (شہد کی مکھیوں کی مملکت) کے نام سے ایک شاندار قصیدہ لکھا جو جدید شاعری کے عمدہ نمونوں میں سے ایک ہے۔

اپریل ۱۹۲۳ء میں ابوشادی قاہرہ کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں علم الجراثیم کے شعبے کے صدر مقرر ہوئے اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک سویز، پورٹ سعید، اور اسکندریہ میں بھی تبدیل ہوتے رہے لیکن زیادہ عرصہ وہ قاہرہ میں ہی متعین رہے۔ وہ جہاں جاتے انجمنیں بناتے جاتے اور رسائل کا اجرا بھی کرتے رہے۔ مثلاً مصری مرغی خانوں کی یونین، زرعی صنعتوں کی انجمن اور ماہرین علم الجراثیم کی انجمن۔

فراغت کے اوقات میں ابوشادی نے مشق سخن کا سلسلہ بھی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ جاری رکھا۔ ۱۹۳۲ء میں انھوں نے "جمعیت ابولو" کے نام سے ایک ادبی انجمن کی بنیاد رکھی جو ۱۹۳۵ء تک قائم رہی۔ "مجلہ ابولو" کے نام سے اس جمعیت نے ایک ادبی رسالہ بھی

جاری کیا۔ اس انجمن اور رسالے کا نام بھی بڑا معنی خیز ہے۔ "ایولو" یونانی علم الاصنام میں شعر کا دیوتا ہے۔ شعر خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی بھی مکتبِ فکر کے شاعر نے کہا ہو وہ بحیثیت شعر ایولو دیوتا سے نسبت رکھتا ہے اس لیے اس انجمن میں ہر مکتبِ فکر کے شعرا شامل ہوئے اور رسالے میں ہر قسم کے اشعار اور ادبی کاوشوں کو جگہ دی گئی۔ اس جمعیت کا کوئی ادبی مسلک متعین نہ تھا، بلکہ اس کا شعار صرف شعر و ادب کی خدمت تھی اور ہر مکتبِ فکر کے شعرا کے لیے صلائے عام تھی۔ چنانچہ اس رسالے میں شعرائے نہضت، نئی پود کے شعرا اور شعرائے مہجر کے اشعار کو شامل اشاعت کیا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ ہر شمارے میں جمعیت کے ارکان میں سے کوئی صاحب قلم عربی ادب کے موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی مقالہ لکھتے یا پھر کسی مغربی مفکر و نقاد کے کسی مقالے کا عربی ترجمہ شائع کیا جاتا۔

مصری حکومت نے جب اسکندریہ یونیورسٹی قائم کی تو ابوشادی کو علم الجراثیم کے شعبے کا صدر مقرر کیا گیا مگر اسی اثنا میں ان کی انگریز رفیقۂ حیات فوت ہو گئی اور وہ اس قدر دل برداشتہ ہو گئے کہ ۱۹۴۶ء میں امریکہ پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر بھی ابوشادی نے شعر و ادب اور انجمن سازی کے مشغلے جاری رکھے۔ "الہدیٰ" کے نام سے ایک عربی رسالہ جاری کیا، وائس آف امریکہ کی عربی نشریات میں حصہ لیتے رہے اور جمعیت ایولو کی طرز پر یہاں بھی "جمعیت منروا" کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی۔ اس اثنا میں مشقِ سخن کا سلسلہ بھی زور و شور پر رہا۔ یہاں سے انھوں نے اپنا ایک مجموعۂ کلام "من السماء" کے عنوان سے شائع کیا اور ۱۹۵۵ء میں یہ انجمن ساز اور ادب پرور شاعر دنیائے فانی سے رخصت ہوا تو اپنے کلام کے چار غیر مطبوعہ مجموعے مرتب کر رہا تھا جو بعد میں "من اناشید الحیاۃ" (زندگی کے گیت)، "النیروز الحر" (آزاد نوروز)، "الانسان الجدید" (نیا آدمی) کے عنوانات سے شائع کیے گئے۔

شاعری

احمد زکی ابوشادی کی سرگرمیوں سے لبریز زندگی ان کی شاعری پر اثر انداز ہوئی اور اسی لیے ان کے کلام کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی سرگرم عملی زندگی میں بہت سی انجمنیں قائم کیں۔ کئی ایک علمی و ادبی رسالے جاری کیے، ادبی محفلیں منعقد کیں، وائس

آف امریکہ میں کام کیا۔ طب اور سائنس کے میدان میں کارنامے انجام دیے۔ علمی و ادبی مقالات لکھے اور دوسری زبانوں کے شعرا کے کلام کو عربی شاعری کے قالب میں ڈھالا۔ اس سلسلے میں انگریز شعرا کیٹس اور شیلے اور فارسی شعرا میں عمر خیام اور حافظ شیرازی کے اشعار کا ترجمہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

ابوشادی ابتدائی زمانے میں جدید دور کے ممتاز عربی شاعر خلیل مطران سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر جب انگلستان کے قیام کے زمانے میں انگریزی ادب کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تو کیٹس اور شیلے انھیں بہت پسند آئے اور ان سے کافی متاثر ہوئے۔ شخصی وجدان کی شاعری انھیں اس قدر مرغوب معلوم ہوئی کہ اس نوع کے تمام شعرا کے کلام کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا جس کے نتیجے میں جہاں ان پر وجدانی شاعری کا رنگ چڑھا وہاں انھوں نے انگریزی زبان میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ اس میں نظم بھی کہنے لگے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابوشادی کلی طور پر ان رومانویت پسند شعرا کے رنگ میں رنگ گئے اور اسے اپنا مسلک بنا لیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ہر شعری مکتب فکر کو قبول کیا اور متاثر ہوئے اور شعر کے مگر کسی ایک مکتب فکر کو مستقل طور پر نہ اپنایا اور نہ مسترد کیا، اس لیے وہ ہر مکتب فکر کے شاعر تھے اور کسی مکتب فکر کے بھی ترجمان نہ تھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ وہ عمر بھر ٹامک ٹوئیاں کھاتے رہے، تزلزل کا شکار رہے اور کسی ایک مسلک پر سختی سے قائم نہ رہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان پر ہر مکتب فکر نے تنقید کی مگر ان کی حمایت کسی نے بھی نہ کی۔ حالانکہ کثرت کلام کے لحاظ سے عربی ادب کی پوری تاریخ میں کوئی شاعر ان کا ہم پلہ نہیں۔ ان کے مطبوعہ دواوین کی تعداد ایک درجن سے متجاوز ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ احمد زکی ابوشادی "شعر کا دیوتا" تھا۔ وہ شعر کو بحیثیت شعر شرفِ قبولیت بخشنے کا قائل تھا۔ یہ شعر خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو اور کسی بھی مکتب فکر کے شاعر نے کہا۔ بالکل جس طرح یونانی میتھالوجی میں شعر کا دیوتا "اپولو" ہر قسم کے شعر کا مرکز و سرچشمہ ہے۔ اور ہر قسم کے شعر کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ اسی لیے انھوں نے تمام شعرا کی جو مشترکہ انجمن قائم کی اس کا نام بھی "جمعیت اپولو" رکھا۔

"جمعیت ابولو" کے ادبی کارناموں کو سمجھنے کے لیے دو باتوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ اس جمعیت سے جو نوخیز شعرا وابستہ ہوئے ان کے سامنے جدید عربی شاعری کے تین نمونے موجود تھے۔ ایک نمونہ ان شعرا کا تھا جنھوں نے عربی شاعری کی تشکیل نو کی اور اسے نئی زندگی اور تازگی و قوت بخشی جیسے بارودی، شوقی، حافظ اور خلیل۔ دوسرا نمونہ ان شعرا کا تھا جو جدید ادب کی تاریخ میں "نئی پود" کے نام سے مشہور ہے۔ جیسے عقاد، شکری اور عبدالقادر المازنی۔ تیسرا نمونہ ان مہاجر شعرا کا تھا جو شام و لبنان سے ہجرت کر کے جنوبی و شمالی امریکہ میں چلے گئے اور جن میں اکثریت مسیحی شعرا کی ہے۔ جدید ادب کی تاریخ میں ان شعرا کو شعرا المہجر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ شعرا مکمل طور پر مغربی اور امریکی اسالیب شعر میں رنگ گئے۔ چنانچہ "جمعیت ابولو" کے شعرا نے ان تینوں مکاتب فکر کا اثر قبول کیا اور تینوں کی نمائندگی کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جمعیت کے شعرا کے ہاں تنوع اور اختلاف موجود ہے جس کی واضح مثال احمد زکی ابو شادی ہیں۔ ان کے ہاں رومانویت، رمزیت، طبیعیت اور واقعیت سبھی کچھ موجود ہے۔ کبھی تو وہ حسن و عشق اور فطرت و آفاق اور کائنات کے نغمات بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کبھی یونانی میتھالوجی کی اقتدا میں اولمپیا کی پہاڑیوں پر چڑھنے لگتے ہیں اور کبھی تجارتی منڈیوں میں اتر کر جدید سائنسی ایجادات کے بارے میں قصائد نظم کرتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے ڈاکٹری آلے اسٹیتھو سکوپ کی شان میں بھی قصیدہ کہہ ڈالتے ہیں۔

"جمعیت ابولو" کے سلسلے میں دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اس جماعت کا دور سیاسی اعتبار سے تاریخ مصر کے سلسلے کا سیاہ ترین حلقہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور میں مصری قوم کو جس ظلم و استبداد سے دوچار ہونا پڑا اس کے تصور سے ہی دل دہل جاتے ہیں۔ مصری مؤرخین کی اصطلاح میں یہ دور "لوہے اور آگ کی حکومت" کا دور ہے۔ ایک طرف تو شاہ فؤاد اور اس کا ظالم اور مکار وزیر اعظم صدقی پاشا اپنی قوم کو لوہے کی سلاخوں میں جکڑ کر ظلم کے دہکتے ہوئے انگاروں پر پھینک رہے تھے اور دوسری طرف انگریز اپنے مکر و فریب کے جال بچھا رہا تھا۔ ڈاکٹر شوقی ضیف کے الفاظ میں "عقل و فکر اور زبانوں پر قفل پڑے ہوئے تھے۔ البتہ جگر کو پریشانی و اضطراب سے ریزہ ریزہ ہوئے اور دلوں کو سوز پنہاں سے

خاکستر ہونے کی اجازت تھی۔" چنانچہ شعرا کے حساس دل بھی پگھلتے اور سلگتے رہے مگر لب کشائی کی بہت کم جرأت ہوئی اور سب نے رومانویت اور رمزیت کے پردوں میں پناہ لی یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قوم کے دکھ درد پر چند آنسو بہا دیے اور بس اسی لیے احمد زکی ابوشادی اور اس کے ساتھی شعرا جیسے علی محمود طہٰ اور ابراہیم ناجی کے یہاں درد و شکوہ اور بیزاری و برہمی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

ابوشادی کی شاعری کے سلسلے میں یہ نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ لب یار کو شاعر ہونے کے علاوہ کثیر المشاغل انسان بھی ہیں۔ فنون لطیفہ میں انھوں نے شعر و ادب پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ مصوری اور موسیقی کو بھی اس میں شامل کر لیا اور یوں وہ مختلف سمتوں میں بٹ گئے، اور کسی حد تک ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے۔ بقول ڈاکٹر شوقی "ان کے ایک ہاتھ میں آلات سرجری، مائیکرو اسکوپ اور سائنسی رسائل ہوتے اور دوسرے ہاتھ میں قلم، برش، موسیقی کے آلات اور ادبی رسائل ہوتے اور پھر لیبارٹری کے شور و شغب اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے دوران شعر کی دیوی ان پر شعروں کا نزول کرتی رہتی۔"

یوں تو ابوشادی کی شاعری ایک وسیع سمندر یا ڈاکٹر شوقی کے الفاظ میں شاعری کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اور جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ان کے دواوین کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے اور ان میں بعض تو بڑے ضخیم ہیں مگر ان کی شاعری کے دو پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک ہے قصصی شاعری اور دوسرا ڈرامائی شاعری۔

ابوشادی خلیل مطران کو اپنا استاد مانتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہیں۔ خلیل مطران کے ہاں قصصی شاعری کا عنصر کثرت سے موجود ہے۔ اسی طرح ابوشادی نے بھی اس میدان میں بعض اچھی کوششیں کی ہیں اور اپنے استاد کی پیروی کی ہے۔ محمد علی پاشا مصر کے خدیوی خانوادۂ شاہی کا بانی تھا اور بڑا رعب و جلال کا مالک اور ذہین بادشاہ تھا۔ اس نے گو عثمانی خلافت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا تھا مگر مشکل کے وقت ہمیشہ ترکان عثمانی کا ساتھ دیتا رہا۔ "معرکۂ نافارین" میں شمولیت کے لیے اس نے مصری بحریہ کا ایک بیڑا ارسال کیا تھا مگر بدقسمتی سے یہ بیڑا دشمنوں میں گھر کر تباہ ہو گیا۔ احمد زکی ابوشادی نے اسی بیڑے کی داستان آغاز سے انجام تک نظم کی

ہے اور "نکبتہ ناقارین" کے نام سے ۱۹۲۴ء میں شائع کیا۔

۱۸۰۷ء میں انگریزی سامراج کا بُرا سایہ سرزمین مصر پر پڑنے لگا، اور بہادر مصریوں نے سینہ سپر ہو کر کئی ایک مقامات پر مزاحمت کی۔ ایسے ہی مقامات میں سے شہر "الرشید" بھی ہے۔ اس شہر کو انگریزی افواج سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے مصری فوج اور عوام نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس بے جگری سے لڑے کہ انگریز کے دانت کھٹے کر دیے اور مصر کی تاریخ میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا۔ اس عظیم معرکہ کو بھی ابوشادی نے منظوم داستان کی شکل میں پیش کیا ہے "مَفخَرَۃُ الرَّشید" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ "عبدہٗ بک" اور "صہبا" کے عنوان سے دو معاشرتی کہانیاں بھی نظم کیں۔

خلیل مطران کی تمثیلی اور قصصی شاعری کے علاوہ ابوشادی نے انگریزی ادب کی ڈرامائی شاعری کا بھی قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اس میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور آزاد اور مرسل نظم میں چند ایک ڈرامے تحریر کیے اور سٹیج پر پیش کی جانے والی کہانیوں کے لیے گیت بھی لکھے اپنے ایک منظوم ڈرامے کے آخر میں انھوں نے "فن اوپرا" اور اس کے گیتوں کا تعارف بھی پیش کیا اور بتایا کہ یورپ میں اس کے تاریخی ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ جرمنی، اٹلی اور فرانس میں "فن اوپرا" کے کئی ایک مختلف مدارس فکر ہیں۔ اطالوی مکتب فکر راگ اور موسیقیت کو اولیت دیتا ہے جب کہ فرانسیسی مکتب خیال کے نزدیک "ادبیت" کو فوقیت حاصل ہے اور جرمنی مدرسۂ فکر مبالغے کی حد تک ادبی نصوص پر زور دیتا ہے۔ ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ میں نے اپنے منظوم ڈراموں میں موسخرالذکر مدرسۂ فکر کی تقلید کی ہے مگر ادبیت کے ساتھ ساتھ ڈرامائی قدر و قیمت کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

احمد زکی ابوشادی کے ان منظوم ڈراموں کے موضوعات زیادہ تر تاریخی حوادث و واقعات اور مشہور داستانوں سے ماخوذ ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا اہم ترین ڈرامہ "احسان" ہے۔ ڈرامے کی کہانی مصر و حبشہ کی اس جنگ سے تعلق رکھتی ہے جو ۱۸۷۶ء میں ہوئی تھی۔ ڈرامے کی ہیروئن احسان ایک حسین و جمیل مصری دوشیزہ تھی جس کی شادی اس کے چچا کے لڑکے سے ہوئی جو مصری فوج کا ایک افسر تھا۔ شادی کے چند دن بعد مصر و حبشہ کے درمیان جنگ

چھڑ جاتی ہے اور اسے محاذ جنگ پر جانا پڑتا ہے۔ میدان کارزار میں وہ اپنی مردانگی کے جوہر دکھلاتے ہوئے قید ہو جاتا ہے مگر اس کے ساتھی یہ مشہور کر دیتے ہیں کہ وہ مارا گیا ہے پانچ سال بعد جنگ کے خاتمہ پر واپس آتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے دل کی ملکہ اور رفیقۂ حیات جو دوسری شادی کر چکی تھی بستر مرگ پڑی ہے۔ احسان جب اپنے "مردہ شوہر" کو دیکھتی ہے تو اس پر دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کو پیاری ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ ایک اور منظوم ڈرامہ پیش کرتے ہیں اور وہ ہے "اروشیر وحیاۃ النفوس" چار ایکٹ پر مشتمل یہ ڈرامہ "الف لیلہ" کی ایک داستان سے ماخوذ ہے جسے شاعر نے اپنے خاص رنگ میں پیش کیا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور قابل قدر بھی۔ ملکہ زباء دور جاہلیت میں عربوں کی ایک مشہور اور چالاک ملکہ ہوئی ہے۔ جو تدمر پر حکومت کرتی تھی اور جو عربی ادب میں کئی ایک داستانیں اور ضرب الامثال چھوڑ گئی ہے۔ احمد زکی ابوشادی "الزباء" کے عنوان سے ایک منظوم ڈرامہ پیش کر کے اس مشہور ملکہ کو حیات جاوداں بخشتے ہیں اور عربی ڈرامائی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کرتے ہیں۔

احمد زکی ابوشادی کے مطبوعہ دواوین کا مفصل تعارف تو اس وقت تقریباً ناممکن ہے البتہ اس کے بعض دواوین کے متعلق مختصر اشارات ممکن ہیں۔ ان کا سب سے پہلا شعری مجموعہ "انداءُ الفجر" کے عنوان سے اس وقت شائع ہوا جب وہ ابھی صرف اٹھارہ سال کے تھے۔ ظاہر ہے اس دیوان میں نوخیز اور ہونہار شاعر ناپختہ فکر ہے مگر فطرت اور رومانویت کی طرف اس کے رجحانات واضح نظر آتے ہیں۔

انگلستان سے واپسی پر ۱۹۲۴ء میں انھوں نے اپنا دوسرا مجموعۂ کلام پیش کیا اور اس کا نام "زینب" رکھا۔ ابوشادی کے ناقدین کا خیال یہ ہے کہ زینب شاعر کی محبوبہ کا نام ہے جس نے عنفوان شباب میں شاعر نامراد کو ٹھکرا دیا تھا مگر شاعر کے دل میں اس کی یاد ہمیشہ سلگتی رہی اور اپنے ایک مجموعہ کلام کو اس کے نام سے شائع کر کے اسے غیر فانی بنا دیا۔

اگلے سال یعنی ۱۹۲۵ء میں ابوشادی تین شعری مجموعے شائع کر کے مصری ادب میں کثرت شعر گوئی کا ریکارڈ قائم کر دیتے ہیں۔ ان شعری مجموعوں کے عنوان تھے "انینٌ ورنینٌ"

(نغمہ و آہ)، "شعر الوجدان" اور "مصریات" آخری مجموعے ہیں وہ قصائد اور نظمیں شامل ہیں جو انھوں نے مصری زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لکھے۔ ان میں شاعر کی حب الوطنی اور قومی درد نمایاں طور پر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ دوسرے سال ۱۹۲۶ء میں وہ دو ضخیم شعری مجموعے "وطن الفراعنۃ" اور "الشفق الباکی" (شفق گریاں) کے عنوان سے پیش کرکے ادبی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیتے ہیں اور ہر ادبی گوشے سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ ان دو مجموعوں کی اشاعت کے ساتھ انھوں نے "وحی العام" (ایک سال کا الہام) کے عنوان سے ایک اور دیوان شائع کرنے کی تیاری شروع کردی اور اعلان کیا کہ اس عنوان سے ہر سال وہ اپنی سالانہ شعری کاوشوں کا ایک مجموعہ شائع کیا کریں گے۔

۱۹۳۱ء میں انھوں نے اپنا دیوان "اشعۃ و ظلال" (کرنیں اور سائے) شائع کیا۔ ۱۹۳۲ء میں دو دیوان "الشعلہ" اور "اطیاف الربیع" (افکار بہار) شائع کیے۔ ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں بالترتیب "الینبوع" (چشمہ) اور "فوق العباب" (بردوش حباب) شائع ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں "عودۃ الراعی" (چرواہے کی واپسی) کے عنوان سے ایک دیوان شائع کیا پھر ۱۹۴۹ء میں امریکہ چلے گئے اور وہاں اپنا مجموعۂ کلام "من السماء" (آسمانی گیت) شائع کیا اور جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے وہ اپنی وفات سے پہلے اپنے چار شعری مجموعات شائع کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ظالم موت نے ۱۹۵۵ء میں اس چشمۂ شعر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خشک کردیا اور احمد زکی ابوشادی جدید عربی شاعری کو ایک عظیم الشان ذخیرۂ شعر دے کر مالا مال کر گئے۔

نمونۂ کلام

دوام حسن

جل مجد الجمال فالمجد فی الدنیا فناءٌ و مجدہ غیر فانی

رمون للارباب شتی و لکن هو رمز الموحد الدیان

ترجمہ (۱) حسن کی عظمت و شان کتنی بلند ہے۔ دنیا کی عظمت تو فانی ہے مگر عظمت حسن غیر فانی ہے۔

(۳) دنیاوی بادشاہوں کے اسرار و رموز تو منتشر ہو جانے والے ہیں لیکن یہ حسن تو خدائے واحد و مالک کے یوم حساب کا راز ہے (اور مالک حقیقی کا راز کس نے پایا ہے اس لیے کون ہے جو رازِ حسن جمال کو پا سکے)

دوامِ عشق

فاینما کنتِ یا روحی ویا املی — فلیس لی طلب الاک الاک

ولو غدوت ترابًا ما فنیت فما — تفنی الحیاۃ یتوب فیہ ذکراک

ترجمہ (۱) میری جان! میری آرزو! تو جہاں کہیں بھی ہو مجھے صرف اور صرف تیری ہی جستجو رہے گی۔

(۲) اور میں اگر خاک میں بھی مل گیا تو تب بھی فنا نہیں ہوں گا بھلا وہ شخص بھی خاک میں مل کر فنا ہو سکتا ہے جس کے سینے میں تیری یاد ہو؟

حُبِ اولاد

لدی سرر لاولادی — ابث الحب منفردا

صلوٰۃ اللیل من قلبی — وقد ناموا کما سعدا

کانی اللیل عابد ھم — فحالی حالُ من عبدا

اری الایمان یغمرنی — فلست بمسرفٍ ابدا

ولکنی اب حان — احب اللّٰہ والولدا

ترجمہ (۱) اپنے سوئے ہوئے بچوں کی چارپائیوں کے پاس بیٹھے ہوئے انھیں دیکھ رہا ہوں اور شفقت و محبت بکھیر رہا ہوں۔

(۲) میرے دل سے دعائے شب نکل رہی ہے وہ آرام سے سوتے ہیں اور میرا دل بیدار ہے۔

(۳) جیسے میں ان کی پرستش کر رہا ہوں کیونکہ میری کیفیت عبادت گزار کی سی ہے۔

(۴) مگر یہ بات حد سے تجاوز ہرگز نہیں کیونکہ میرا دل نورِ ایمان سے منور ہے۔

(۵) بات صرف اتنی ہے کہ میں ایک شفیق باپ ہوں جسے اللّٰہ رب العزت سے بھی محبت ہے اور اپنی اولاد سے بھی پیار ہے۔